© rasailojaraid.com

مسلمانوں کا روحانی زوال

یعنی

اُن کی زندگی میں رجوع الی اللہ کا فقدان

مدیر

ترجمان القرآن بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں فاضل مدیر نے بڑے خلوص اور بڑی دلسوزی کے ساتھ اِس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ عصر حاضر میں مُسلمانوں کی زندگی سے "رجوع الی اللہ" کا جذبہ تقریباً مفقود ہوچکا ہے ہم اس مضمون سے بعض اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں،

"مسلمان ہونے کے لئے جس کلمے کا زبان سے ادا کرنا اور دل سے اقرار کرنا ضروری ہے وہ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسُول اللہ۔ اس کلمے کا پہلا جزو، ایمان باللہ ہے۔ اللہؔ کی ہستی کو ماننے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اسے محض ایک ایسی قوت تسلیم کرلیں جس نے کائنات کے اولیں سالمات کی تخلیق کی اور اس فرض کو انجام دینے کے بعد اب وہ خاموشی کے ساتھ اس ہنگامۂ خیر وشر کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ بلکہ قرآن کی رو سے وہ ایک حیّ وقیوم ہستی ہے۔ جس نے اس کائنات کی تخلیق ہی نہیں کی بلکہ جس کا ارادہ اس کے ذرے ذرے میں کارفرما ہے یہ سارا کارخانہ صرف اسی کے اشارۂ ابرو پر چل رہا ہے اس کے علاوہ یہاں کسی کو کوئی قدرت اور اختیار حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں ہے۔ بلکہ آمر وحاکم بھی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کرسکے

قرآن حکیم ہمیں اس حقیقت سے بھی آشنا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہماری زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور رابطہ ہے، وہ کوئی مجرد اصول نہیں ہے بلکہ ہر لحظہ اس کائنات کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ نیز اس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ یہ کائنات اور اس کے ہنگامے محض علت ومعلول کی کرشمہ سازیاں نہیں ہیں، بلکہ ایک با اختیار ہستی کی منصوبہ بندیاں ہیں، وہی ذات ہے جس نے علت کو علت اور معلول کو معلول بنایا ہے۔ علت اور معلول کی حقیقت انسان کو اس سے زیادہ کیا معلوم کہ بقول امام غزالیؒ۔ ایک دوسرے کے بعد آتا ہے اس کائنات میں اصل قوت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اگر چاہتا ہے تو علت اور معلول کی کڑیوں کو جوڑ کر، انسانی سعی کو کامیاب بنا دیتا ہے۔ اور اگر اس کا ارادہ نہیں ہوتا۔ تو انسان کی سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں[1] اور نتائج

---

[1] حاشیہ صفحہ ۳ کے نیچے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی توقع اور آرزو کے برعکس برآمد ہوتے لگتے ہیں،

قرآن حکیم کی رو سے اللہ تعالیٰ ایسی علیم و خبیر اور فعالٌ لما یرید ہستی ہے جس کے ساتھ ہمارا نہایت ہی گہرا رابطہ ہے یعنی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لے کر بڑے سے بڑے مسائل تک ہم ہر قدم پہ اس کی توجہ اور عنایت کے محتاج ہیں، کتاب اللہ نے فکر اور جذبے کے نہایت حسین امتزاج کے ساتھ، حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے بندے اور اللہ کے اس تعلق باہمی کو واضح کیا ہے۔ غور کیجئے یہ تعلق کتنا قریبی ہے:۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ
وَالَّذِي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا
مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي
يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ
يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ط
(۲۶ - ۷۸ تا ۸۲)

(وہ رب العلمین) جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں، تو وہی مجھے صحت عطا کرتا ہے، جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں یہ اُمید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

اس سلسلے میں ایک آیت اور بھی پیش نظر رکھنے کے لائق ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي
قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا
بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (۲-۱۸۶)

اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ اُن سے کہہ دیں کہ) میں تو اُن سے بہت قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے، تو میں اُس کی پکار کا جواب دیتا ہوں، اس لئے اُنہیں چاہئیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پہ ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا سکیں،

اللہ اور بندے کے باہمی تعلق کے بارے میں جو کچھ ہم نے اوپر عرض کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جدوجہد کو بیکار سمجھتے ہیں، اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ مسلمان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر معاملہ میں جدوجہد کرنی چاہئیے۔ مگر جدوجہد کے بعد ترتیب نتائج کے لئے مشیئت ایزدی کی طرف بھی رجوع کرنا از بس لازمی ہے،

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اب مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی نظر میں مجرد ایک تصور ایک لگا بندھا اصول، ایک غیر متبدل قانون بن کر رہ گئی ہے۔ ہم میں سے ایک معقول تعداد ہر روز اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

(حاشیہ، صفحہ ۲) اکبر الہ آبادی مرحوم نے اس حقیقت کو اپنے دلکش انداز میں یوں واضح کیا ہے،

رضائے حق پہ راضی رہ! یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا خالق، خدا مالک، خدا کا حکم، تو کیسا! (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس کا زبانی اقرار تو کرتی ہے، لیکن امرِ واقعی یہ ہے کہ نہ تو ہم اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں اور نہ ہمارا کسی کام میں اس کی طرف سے خیر و برکت پر ایمان ہوتا ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک یہ دُنیا صرف عالمِ اسباب بن کر رہ گئی ہے، اور ہماری نظر میں کامیابی کا راستہ صرف یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ مادی اسباب و ذرائع جمع کریں۔ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ تو اس کامیابی کو اپنی قوتِ بازو اور حسنِ تدبیر کا نتیجہ سمجھیں۔ اور اگر ناکامی ہو تو علت و معلول کی کڑیوں کا معائنہ شروع کر دیں۔ یا اس ناشُدنی واقعہ کو سوءِ اتفاق کا نتیجہ سمجھ کر خاموش ہو جائیں۔ مگر کبھی اس ذات کی طرف رجوع نہ کریں، جو اس کائنات کی مالک ہے۔ بیشک مناسب اسباب فراہم کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ مگر ان سے کہیں زیادہ ضروری بات اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرِ نیاز خم کرنا اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا بھی ہے۔ اسی لئے تو ہمیں ہر حال میں یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے،

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (۴۰-۴۴)

اور میں اپنا معاملہ اللہ کو سونپتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کے حال کا نگران ہے،

اسے ہماری بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے، کہ ہم نے ایمان باللہ کے دعوے کے باوجود، اللہ کے ساتھ وہ رشتہ عبودیت استوار نہیں کیا جو فی الواقع ہونا چاہیئے، یہی وجہ ہے کہ ہم ہر وقت اسباب کی دُنیا میں سرگرداں رہتے ہیں، اور علت و معلول کی کڑیوں کو جوڑنے میں اپنی ساری قوتیں کھپا دیتے ہیں۔ مگر ہمیں کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ اس عالمِ اسباب کے پیچھے ایک اخلاقی نظام بھی کارفرما ہے۔ اور کائنات کے تمام حوادث اور واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کو بھی پورا پورا دخل حاصل ہے۔ آپ ذرا ان پروگراموں، اسکیموں اور منصوبہ بندیوں کا جائزہ لے کر دیکھیں جو ملک و ملت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے تیار کی جا رہی ہیں۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ ان میں مادی ذرائع اور وسائل مہیا کرنے کی تو ساری تمات موجود ہیں، لیکن اگر کوئی مد خارج از بحث ہے تو وہ صرف "رجوع الی اللہ" (اللہ کی طرف توجہ) ہے۔ مثلاً ہم رزق میں کمی کا سبب یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس کافی مادی اسباب نہیں ہیں، لیکن اس بات پر ہم کبھی غور نہیں کرتے کہ رزق میں کمی کا ایک سبب یادِ خدا سے غفلت بھی ہے۔ جس کی طرف قرآن حکیم کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے،

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ؕ (۲۰-۱۲۴)

اور جو کوئی میری یاد سے روگردانی کرے گا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دُنیا میں اس کی زندگی تنگی اور پریشانی میں بسر ہو گی (سکونِ قلب سے محروم ہو جائے گا) اور ہم قیامت کے دن اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے (نعمائے اخروی سے محروم ہو جائے گا)

(مقتبس از ترجمان القرآن ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء صـ۴ تا صـ۱۴)

ہم نے یہ طویل اقتباسات اس لئے درج کئے ہیں، کہ

(۱) مدیر ترجمان کا مافی الضمیر پورے طور سے واضح ہو جائے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) ہم اس سلسلے میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے،

(۳) ان دو باتوں کے علاوہ ان اقتباسات میں ایک اور خوبی بھی پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ فاضل مدیر نے رجوع الی اللہ کی اہمیت واضح کر کے بالواسطہ ہمارے مسلک کی حمایت کی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جو لوگ باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ "ندائے حق" کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں، وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اس رسالے کے اجراء سے ہمارا مقصد صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے مسلمانوں میں "رجوع الی اللہ" کا جذبہ پیدا کرنا۔ یہ "رجوع الی اللہ" مسلمان کی دینی اور دنیاوی، سیاسی اور معاشی، تہذیبی اور ثقافتی، علمی اور تعلیمی، زندگی کے لئے بمنزلہ سنگِ بنیاد ہے بالفاظ دگر یہ وہ محور ہے، جس کے گرد اس کی پوری زندگی گردش کر رہی ہے، صرف یہی ایک آیت ہمارے اس دعوے پر شاہد عدل ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(اے رسول!) آپ کہدیجئے کہ میری نماز (یعنی تمام عبادات) اور تمام رسوم مذہبی اور میرا جینا اور میرا مرنا (یعنی میری پوری زندگی) سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو اس تمام کائنات کا پیدا کرنے والا، پرورش کرنے والا، حفاظت کرنے والا اور اس کو قائم رکھنے والا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جب تک کسی کو کسی کے ساتھ محبت نہ ہو، وہ اس کے لئے کبھی ہرگز اپنی زندگی وقف نہیں کر سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مومن ہونے کے لئے اپنی محبت کو شرط قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

اور جو لوگ مومن ہیں ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں اشد ہیں یعنی ان کے دلوں میں اللہ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہے۔

یہ آیت وہ معیار (کسوٹی) ہے جس پر ہم تمام مدعیانِ اسلام اور تمام مدعیانِ ایمان کو پرکھ سکتے ہیں

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

بہر کیف یہ بات واضح ہو گئی کہ "رجوع الی اللہ" محبت الٰہی پر موقوف ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام نے مسلمانوں کو محبتِ الٰہی کا درس دیا اور اسی لئے ہم نے تمام کوچوں کی خاک چھاننے کے بعد اسی مسلک کو اختیار کیا اور اسی لئے ندائے حق کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اس مسلک کی دعوت دے رہے ہیں، جسے ہم علی وجہ البصیرت عین اسلام بلکہ روح ایمان سمجھتے ہیں، یعنی اللہ سے محبت کرنا اور اس کو مقصودِ حیات بنانا۔ اسی کے لئے جینا اور اسی کے لئے مرنا۔ بالفاظ دگر غیر اللہ سے قطع نظر کرنا۔ اور صرف اللہ سے اپنا رشتۂ مودت اختیار کرنا۔ یہی وہ صحیح اسلامی تصوف ہے جس کی طرف اللہ کے سچے عاشقوں نے ہر زمانے میں مسلمانوں کو بلایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اللہ سے محبت کرنے ہی کا سبق پڑھایا تھا۔ خود اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا تھا کہ سب سے مونہہ موڑ کر صرف ہم سے رشتۂ محبت جوڑلو، اور اللہ نے محبت کا یہ سبق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے بعد نہیں پڑھایا۔ بلکہ آپؐ کی پیغمبرانہ زندگی کی ابتداء اسی سبق سے ہوئی تھی، بالفاظ دگر، محبت الٰہی اسلام کی بنیاد ہے۔

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ سورۂ مُزمّل، ترتیب نزول کے اعتبار سے تیسری سورت ہے (سورۂ مدثر، دوسری اور اقرأ باسم ربک پہلی وحی ہے) اس ابتدائی وحی میں اللہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ○ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ط إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ط إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ط إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ط وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ط رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ○ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ○ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ○

(۷۳ — ۱ تا ۱۱)

اے رسولؐ، تم جو کملی میں لپٹے ہوئے ہو! رات کے وقت نماز میں کھڑے رہا کرو، سو بھی ساری رات نہیں بلکہ ساری رات سے کم (یعنی آدھی رات یا اس میں سے بھی تھوڑا سا کم کر لیا کرو، یا آدھی سے کچھ بڑھا دیا کرو، اور قرآن کو خوب رک رک کر پڑھا کرو، ہم عنقریب تم پر ایک بڑے بھاری حکم (تبلیغ رسالت) کا بوجھ ڈالنے کو ہیں، (اس لئے اپنے تئیں ریاضت کا خوگر کرو) بیشک رات کا اٹھنا (نفس کو) خوب زیر کرتا ہے اور اس وقت دعا بھی ٹھیک (دل سے) نکلتی ہے، یقیناً دن کے وقت تو تم کو وعظ و نصیحت کے سلسلے میں بڑا مشغلہ رہا کرے گا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو۔ اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو، اور چونکہ وہ مشرق و مغرب یعنی تمام جہان کا مالک ہے اور ساری کائنات میں اس کے سوا اور کوئی اِلٰہ (معبود) نہیں ہے، تو اسی کو اپنا وکیل (کارساز) سمجھو اور کافر جو کچھ تمہارے متعلق کہتے ہیں اس پر صبر کرو یعنی ضبط نفس کرو، اور عمدگی کے ساتھ ان سے قطع تعلق کر لو۔ (الگ تھلگ رہو) اور جو خوشحال لوگ تمہاری تکذیب کرتے ہیں مجھ کو اور ان کو اپنے اپنے حال پر رہنے دو (ہم ان سے بھگت لیں گے) اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو،

سورۂ مزمل کی ان ابتدائی گیارہ آیتوں میں اللہ نے اپنے بندوں کو تزکیۂ نفس کا ہشت گانہ لائحہ عمل (پروگرام) عطا فرمایا ہے۔ تصوف اسلام اسی پروگرام پر عمل پیرا ہونے کا دوسرا نام ہے، اور صوفیائے کرامؒ نے انہی نکات ہشت گانہ کو اپنا دستور العمل قرار دیا ہے۔ اسی لئے حضرت جنید بغدادیؒ، ابوالقاسم قشیریؒ، شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ اکبرؒ، مرشد رومیؒ، عارف جامیؒ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فخرالدین عراقیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور تمام اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے۔ کہ اسلامی تصوف تمام تر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ اب ناظرین کی سہولت کے لئے ہم اس پروگرام کو ذیل میں درج کئے دیتے ہیں،

(۱) قیام لیل (۲) ترتیل (۳) ذکر اسم رب (۴) تبتل (۵) توکل علی اللہ (۶) صبر و تحمل (۷) ھجر جمیل (۸) عدم اعتناء عن المکذبین

مزید سہولت کے لئے ان نکات کا اردو میں ترجمہ کئے دیتے ہیں،

(۱) نصف شب کے بعد اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنا (تاکہ نفس مغلوب ہو سکے)

(۲) نماز میں قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا (تاکہ ہر لفظ ذہن نشین ہو سکے)

(۳) اسم اللہ کا ذکر کرنا (تاکہ اللہ کی محبت دل میں قائم ہو سکے)

(۴) سب سے توڑ کر اللہ سے جوڑنا (تاکہ محبوب کے سوا سب کا خیال دل سے نکل جائے)

(۵) صرف اللہ ہی کو اپنا کارساز یقین کرنا (تاکہ غیر اللہ کا وجود ہیچ ہو جائے)

(۶) کافروں کے استہزاء پر صبر کرنا (تاکہ ضبط نفس کی صفت پیدا ہو سکے اور اپنے کام سے کام رہے)

(۷) دین کے دشمنوں سے کنارہ کش رہنا (تاکہ ناپاک اور غلط خیالات کا دل میں گذر ہی نہ ہو سکے)

(۸) معترضین اور مخالفین سے بے اعتنائی اختیار کرنا (تاکہ فضول بحثوں میں وقت ضائع نہ ہو)

اس پروگرام کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد تو صرف اتنا تھا کہ ہم اپنے دعوٰی کو ثابت کر دیں کہ پیغمبرانہ زندگی کی ابتدا ہی میں اللہ نے سرکار دو عالم کو تبتل اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ تبتل ہی سارے سلوک کی جان ہے یعنی دنیا سے اور اس کی تمام دلچسپیوں سے قطع نظر کر کے صرف اللہ ہی کو اپنا مقصود حیات بنانا۔ مگر ہم نے مکمل پروگرام اس لئے نقل کر دیا کہ سب مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی تصوف اسلام (قرآن و حدیث سے) جداگانہ کوئی شے نہیں ہے یہ اسلام ہی ہے، بلکہ اس کی روح ہے، اور صوفیائے کرام اگر سالک کو تہجد، ترتیل، ذکر اسم رب، تبتل، توکل اور صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہیں، تو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اللہ تعالٰی ہی کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں ہم اس ضمن میں ایک آیت اور پیش کرتے ہیں،

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ (۹۴ - ۷، ۸)

پس جب آپؐ (اپنے فرض منصبی یعنی دعوت و تبلیغ سے) فارغ ہوں تو مجاہدہ اور ریاضت کیجئے اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جیئے،

تبتل الی اللہ اور رغبت الی اللہ۔ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے، یعنی رجوع الی اللہ، بالفاظ دگر، اللہ ہی کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنانا۔ سب سے قطع نظر کر کے بس اسی کا ہو رہنا۔ اسلامی تصوف میں سالک کے تمام مجاہدات — اذکار، اشغال، اوراد، مراقبہ، محاسبہ — کا مقصد صرف یہی رجوع الی اللہ ہے، یعنی مسلمان دنیا میں رہتا ہے (نکاح بھی کرتا ہے، تجارت بھی کرتا ہے، جنگ بھی کرتا ہے، حکومت بھی کرتا ہے) مگر دنیا سے دل نہیں لگاتا۔ اسی کو تصوف کی اصطلاح میں "دل بیار و دست بکار" کہتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن ضروری تصریحات کے بعد اب ہم عود الی المقصود کرتے ہیں اور ان اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں، جن کی بنا پر مسلمانوں میں رجوع الی اللہ کا جذبہ تقریباً مفقود ہو چکا ہے،

واضح ہو کہ قرآن کے نزول کا حقیقی مقصد فلسفیانہ مسائل کا حل پیش کرنا نہیں بلکہ وہ طریقہ بتانا ہے جس سے اللہ راضی ہو، اور یہ طریقہ قرآن کریم کی رو سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم دیں اس کی بلا چون وچرا تعمیل کی جائے جیسا کہ ان الفاظ سے ثابت ہے۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (۲ - ۲۸۵)

اور انہوں نے کہا کہ ہم نے احکام الٰہی کو سنا اور سر تسلیم خم کر دیا۔ اے ہمارے رب! ہم تجھ سے طلب مغفرت کرتے ہیں، اور ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں، کہ ہمیں انجام کار تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے

اس آیت میں ایک مسلمان کی زندگی کا نقشہ بھی کھینچ دیا گیا ہے، اور سر تسلیم خم کرنے (بلا چون وچرا اطاعت کرنے) کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ آخر کار اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اعمال کی جوابدہی کرنی ہے، تو مایئت (نجات) اسی میں ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاسفہ یا متکلمین کی جماعت تیار نہیں کی تھی، بلکہ خالص مجاہدین کی جماعت تیار کی تھی۔ یہ جو ۳۱۳ سرفروش اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر بدر کے میدان میں آئے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی بھی فلسفی یا منطقی یا متکلم یا انشاپرداز یا لیکچرار یا ایڈیٹر نہیں تھا۔ سب کے سب مجاہد تھے، یعنی اللہ کی فوج کے سپاہی تھے۔ جنہوں نے جنت کے بدلے اپنی جان اور اپنی دولت دونوں اللہ کے حوالے کر دی تھیں،

الغرض یہ لوگ سپاہی تھے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ سپاہی کا فرض یہ ہے کہ افسر جو حکم دے اس کی بلا چون وچرا تعمیل کرے،

قرآن مجید نے یہ کہہ کر "وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" (۱۷ -) اور تم کو علم کائنات میں سے بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے، ساری فلسفیانہ بحثوں کا دروازہ بند کر دیا۔ اسی لئے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ بات تلقین فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کبھی غور وخوض نہ کرنا۔ کیونکہ تمہاری ناقص اور محدود عقل ان امور میں بالکل عاجز اور درماندہ ہے،

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی صداقت اس وقت واضح ہو سکتی ہے جب ہم اس بات پر غور کریں کہ فلسفہ اور مذہب میں تطبیق یا باہم آہنگی ایک امر محال ہے، کیونکہ دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔

(ا) فلسفہ کا آغاز حیرت اور شک (DOUBT) سے ہوتا ہے

ہمائے علم تا افتد بدامت
یقیں کم کن، گرفتار شکے باش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن مذہب کا آغاز یقین سے ہوتا ہے۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ، یہ وہ کتاب ہے جس کی تعلیمات کی صداقت میں کوئی شک یا شبہ نہیں ہے

(ب) فلسفہ کا موضوع یہ ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟

اس کے برعکس مذہب کا موضوع یہ ہے کہ میں کہاں جاؤں گا۔

حیراں ہے بو علی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومیؒ یہ پوچھتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں!
خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

مختصر یہ کہ فلسفہ انسان کی اصل (ORIGIN) سے بحث کرتا ہے۔ اور مذہب انسان کی منزل مقصود (DESTINY) سے بحث کرتا ہے

(ج) فلسفہ کا مقصد ذہنی تسکین کا سامان فراہم کرنا ہے، وہ تسکین حاصل ہو یا نہ ہو بہرکیف کوشش کرنا ایک فلسفی کا فرض ہے اور وہ اسی کوشش میں اپنی عمر عزیز ضائع کر دیتا ہے، اور مرتے وقت زبان حال سے یہ شعر پڑھتا ہے

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

اس کے برعکس مذہب کا مقصد، اطمینان قلب ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ آگاہ ہو جاؤ کہ صرف اللہ کے احکام کی اطاعت (ذکر کے حقیقی معنی یہی ہیں) ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اقبالؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ "مذہب کا مقصد عمل ہے نہ کہ انسان کے علمی اور دماغی تقاضاؤں کو پورا کرنا۔ اسی واسطے قرآن شریف کہتا ہے۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔" (بنام محمد نیاز الدین خانصاحب مرحوم مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۶ء)

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے میں ہمیں کوئی فلسفی یا منطقی یا متکلم نہیں ملتا۔ یہ حضرات اس نکتہ سے بخوبی واقف تھے۔ کہ فلسفیانہ غور و فکر سے قوتِ عمل اور جذبۂ جہاد دونوں کمزور ہو جاتے ہیں، لیکن جب عباسیوں کے عہد حکومت میں فلسفہ کی گرم بازاری ہوئی۔ تو مسلمانوں نے بھی اسلام کو فلسفہ ارسطو سے مطابق کرنے کی سعیٔ لاحاصل شروع کر دی اور اس سلسلہ میں ان سے یہ بنیادی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے کلام کے بجائے ارسطو کے قیاسات اور ظنیات کو معیار حق قرار دیا۔ اور اسی لئے انہوں نے اپنی عمریں اس کام میں برباد کر دیں کہ کسی نہ کسی طرح قرآنی الٰہیات کو ارسطو کے ارشادات سے مطابق کر دیا جائے۔

(۱) ایک گروہ نے تو ارسطو کی مابعد الطبیعات کو اپنا دین و ایمان قرار دے دیا اور ارسطو کو معصوم عن الخطاء سمجھ لیا، یہ گروہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے پورے اسلام کو فلسفہ ارسطو کے سانچے میں ڈھال دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) دوسرے گروہ نے تطبیق کی کوشش کی یہ گروہ تاریخ اسلام میں متکلمین (اشاعرہ ماتریدیہ) کے نام سے معروف ہے، لیکن کامیابی نہ اُن کو ہوئی نہ اِن کو، کیونکہ فلسفہ اور مذہب میں تطبیق ایک امرِ محال ہے۔ وجہ یہ کہ فلسفہ اور قرآن کے پیش کردہ تصورِ باری تعالیٰ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآنی تصورِ الٰہ، ارسطو کے تصورِ الٰہ سے بالکل مختلف النوع ہے۔ ہم اپنی بات کو مبرہن کرنے کے لئے ذیل میں ارسطو کا تصورِ باری پیش کرتے ہیں،

ارسطو نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مابعد الطبیعات" کے بارھویں باب میں وجودِ باری کا اثبات کیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ وہ کتاب ہے جس کی شرح حکیم الفارابی نے لکھی تھی۔ جس پر اسے معلم ثانی کا لقب ملا تھا ابن سینا نے اسی شرح کی بدولت ارسطو کو سمجھا تھا۔ علامہ ابنِ رشد نے بھی اسی کتاب کی شرح لکھی تھی اور مشہور مسیحی متکلم ایکوئناس نے ابنِ رشد کی شرح کو سامنے رکھ کر SUMMA THEOLOGICA لکھی تھی۔ ہم اسی باب سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں

(۱) دو چیزیں ناقابلِ فنا (ازلی، ابدی) ہیں ۱۔ تغیر ۲۔ زماں، (۲) ازلی حرکت مستدیرہ ایک حقیقت ثانیہ ہے،

(۳) ایک ایسی شے کا وجود لازمی ہے جو محرک للغیر ہو مگر خود متحرک نہ ہو، (۴) یہ محرک ازلی فلک اول کو براہِ راست حرکت دیتا ہے

(۵) خدا واحد ہے اور بسیط بھی، اس لئے اس سے صرف واحد ہی صادر ہو سکتا ہے اور وہ عقلِ اول ہے جو حادث بالذات مگر واجب بالغیر ہے اور معلول اول ہے (۶) خدا علت تامہ ہے اور علت تامہ سے معلول کا صدور لازمی ہے اسلئے خدا معلول کے صادر کرنے میں مختار نہیں بلکہ مضطر ہے۔

(۷) عقول عشرہ اور افلاک تسعہ سب بواسطہ عقلِ اول ظہور میں آگئے (۸) علتہ اولیٰ یا محرکِ اول یا خدا محض فعلیت ہے (۹) ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا ذی حیات ہے بلکہ وہ عین حیات ہے

۱۰۔ چونکہ خدا کے لئے طبعی یا جسمانی فعلیت ممکن نہیں، اس لئے فعلیت سراسر ذہنی یا علمی ہی ہوگی۔ اور اس کا تمام علم وجدانی یا حضوری ہے، استدلالی نہیں ہے

۱۱۔ محرک اول محض صورت اور فعلیت ہی نہیں بلکہ نفس مدرک (MIND) بھی ہے

(۱۲) خدا کے علم کا معروض خود اُس کی ذات ہے (۱۳) خدا کو شر (EVIL) کا کوئی علم نہیں ہے، (۱۴) خدا عالم جزئیات نہیں ہے صرف عالم کلیات ہے، (۱۵) خدا کو حاصل اس کائنات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے،

۱۶۔ خدا اس کائنات پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے، جس طرح ایک دلکش تصویر یا مجسمہ دیکھنے والے پر اثر کرتا ہے۔

۱۷۔ ارسطو نے خدا کو دنیا سے اس درجہ بے تعلق اور اپنی ذات میں مستغرق اور منہمک دکھایا ہے کہ اس کے سب سے بڑے شارح ابنِ رشد کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی ہے، کہ وہ اس کے خیالات کو مذہبی حلقوں میں کس طرح مقبول بنائے، چنانچہ ابنِ رشد، اگرچہ خدا کی تخلیقی فاعلیت اور صفت اختیار (آزادیٔ عمل) دونوں کا منکر ہے، تاہم وہ خدا کو عالمِ کلیات تسلیم کرتا ہے، اور اس نے یہ کوشش کی ہے کہ اس تعلیم کا سراغ ارسطو کی تصانیف میں تلاش کر کے دکھائے۔ لیکن ابنِ رشد کی یہ کوشش بار آور نہیں ہو سکی۔

۱۸۔ مسیحی متکلمین میں سے ڈنس اسکوٹس اور ٹامس ایکوئناس نے بھی یہی کوشش کی ہے، کہ ارسطو کے خدا کو اس رنگ میں پیش کیا جائے۔ کہ وہ اہلِ مذہب کے لئے قابلِ قبول ہو سکے، بہرکیف یہ تینوں شارحین یہ لکھتے ہیں، کہ خدا کو کائنات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوانین کلی کا علم ضرور حاصل ہے، لیکن اگر ارسطو کی مابعد الطبیعات اور کتاب الروح (DE ANIMA) کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان دونوں کتابوں کے بیانات میں صریحی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو بقولِ قرآن انسانی تصنیف کا طغرائے امتیاز ہے۔

۱۹ ارسطو نے اپنی کسی تصنیف میں تخلیق ایزدی یا مشیئت ایزدی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ ان دونوں باتوں کا منکر ہے۔ خلق اور مشیت یہ دونوں باتیں تصورِ ذاتِ باری سے خارج ہیں تخلیق اور ارادے کے بعد خدا حادث ہو جائے گا اور عقل کا فتویٰ ہے کہ حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خدا کی خدائی کو محفوظ رکھنے کے لئے تخلیق اور مشیئت دونوں کا انکار کرنا لازمی ہے۔

۲۰۔ ارسطو کہتا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خدا کائنات کے امور میں دلچسپی لیتا ہے۔ تو یہ بات منافی کمال ذاتی ہوگی

۲۱۔ ارسطو صاف کہتا ہے کہ خدا خالق کائنات نہیں ہے، روح اور مادہ دونوں ازلی اور ابدی ہیں۔ ارسطو نے تخلیق کائنات کے خلاف دلیلیں مرتب کی ہیں۔ کیونکہ اگر خدا کو خالق تسلیم کیا جائے تو پھر وہ خدا نہیں رہ سکتا

۲۲۔ ارسطو اس بات کا یقین نہیں رکھتا کہ خدا جزا یا سزا کا مالک ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ان باتوں سے بے نیاز ہے۔ بلکہ بالاتر ہے

۲۳۔ ارسطو کے فلسفیانہ نظام میں خدا کی حیثیت محض ایک محرک اول کی ہے۔ اسے ایک محرکِ اول کی ضرورت ہے جسے عرفِ عام میں علتِ تامہ کہتے ہیں اس سے زیادہ وہ خدا سے کسی بات کا متمنی نہیں ہے بالفاظ دگر ارسطو کا خدا، نہ خالق ہے نہ رازق بلکہ صرف محرکِ اول ۲۴۔ ارسطو کا خدا مذہبی شعور کے تقاضوں کو ہرگز پورا نہیں کر سکتا۔

۲۵۔ ارسطو کا خدا، خالص روح ہے۔ مادہ اور مادیات سے پاک ہے۔ مگر شخص نہیں ہے جو اپنے لئے "میں" یا "ہم" کا لفظ استعمال کر سکے۔ خلاصۂ کلام اینکہ محرک اول نہ تو خالق کائنات ہے (کیونکہ ہیولیٰ اور صورۃ دونوں غیر مخلوق ہیں) اور نہ حاکم بااختیار ہے کہ وہ تو صرف اپنی ذات کے علم میں مستغرق ہے، اور نہ وہ ہم سے محبت کر سکتا ہے۔ (کیوں کہ ہمارے اور اس کے مابین کوئی رشتہ ہی نہیں ہے) اگر وہ ہم سے محبت کرے تو محل حدوث ہو کر خدائی سے خارج ہو جائے گا!! ارسطو کی رائے میں خدا کی زندگی محبت یا جذبات کی زندگی نہیں ہے، بلکہ خالص غور و فکر کی زندگی ہے

اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ ارسطو کا پیش کردہ یہ تصورِ ذاتِ باری قرآن کے پیش کردہ تصور یا عقیدہ رب العالمین سے کس حد تک مطابقت یا مماثلت رکھتا ہے۔ اور دونوں تصورات میں کس حد تک ہم آہنگی ممکن ہے۔ جو شخص بھی ارسطو کے تصورِ خدا کا موازنہ قرآن کے تصورِ باری تعالیٰ سے کرے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ جن حکماء نے تطبیق کی کوشش کی وہ انتہائی کاوش کے باوجود حسبِ ذیل امور میں ہم آہنگی پیدا نہ کر سکے

(ا) قرآن کی رو سے ماسوی اللہ، حادث ہے۔ مگر ارسطو کی رائے میں مادہ بھی قدیم ہے

(ب) قرآن کی رو سے اللہ خالق ہے۔ مگر ارسطو خدا کو خالق نہیں مانتا۔

(ج) قرآن کی رو سے نفس انسانی (SOUL) غیر فانی ہے مگر ارسطو کی رائے میں فانی ہے

(د) قرآن کی رو سے کائنات تابع مشیئت ایزدی ہے مگر ارسطو مشیئت کو تسلیم نہیں کرتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحق قرآن نے اللہ کا جو تصور پیش کیا ہے۔ وہ ارسطو کے تصور سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ فلسفۂ ارسطو سے ہم آہنگ ہونا درکنار قرآنی تصور تو دُنیا کے کسی فلسفی کے تصورِ خدا سے مطابقت نہیں رکھتا۔ دُنیا میں جس قدر حکماء وجودِ باری کے قائل گذرے ہیں ان میں سے ہر ایک نے خدا کا مخصوص تصور پیش کیا ہے۔ ان دریں حالات قرآنی تصورِ باری کو فلسفہ کے کسی مدرسے کے تصورِ خدا سے مطابق کرنا سراسر غیر دانشمندانہ فعل ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے قبل ازیں بیان کیا ہے۔ جب مسلمانوں میں ارسطو کا فلسفہ شائع ہوا۔ تو انہوں نے تطبیق کی کوشش کی اور ارسطو کے فلسفہ کو اپنے نصابِ تعلیم میں داخل کر لیا۔

(باقی آئندہ)

نوٹ:۔ یہ تصریحات ارسطو کی مابعد الطبعیات سے مقتبس اور ماخوذ ہیں فلسفہ کے طالب علموں کے لئے حسب ذیل حوالہ جات کافی ہونگے۔

(۱) تاریخ فلسفہ مولفہ پروفیسر فلکہ جلد اول صفحہ ۱۸۲ تا صفحہ ۱۹۶　(۲) تاریخ فلسفہ مولفہ پروفیسر تھلی صفحہ ۱۱۰

(۳) تاریخ فلسفہ مولفہ پروفیسر ویبر صفحہ ۸۶　(۴) تاریخ فلسفہ مولفہ زیلر صفحہ ۱۷۷

بقیہ عظمت اولیاء اور علامہ اقبال　صفحہ ۲۰ سے آگے

پروفیسر صاحب موصوف پر ملت اسلامیہ جس قدر فخر کرے کم ہے، انہوں نے تمام منظومات اقبال کی شرحیں اس محنت اور خوبی سے لکھی ہیں۔ کہ شاید ہی ان کا جواب ہو سکے، حقیقت یہ ہے کہ ان شرحوں کے بغیر کلام و نظریات اقبال اور متعلقہ نکات فلسفہ و کلام و تصوف کا سمجھنا غیر ممکن ہے، کلام اقبال میں ہر جگہ ایجاز و اختصار اور اشارات و کنایات سے کام لیا گیا ہے۔ جن کا سمجھنا ضخیم کتب کی مدد کے بغیر آسان نہیں، موصوف نے نہایت فاضلانہ انداز میں شروح لکھ کر ہمیں ضخیم کتب سے بے نیاز ہی نہیں کر دیا۔ بلکہ تقریباً ہر جگہ اپنی جچی تلی رائے بھی پیش کر دی ہے۔ اس طرح نہ صرف کلام اقبال کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے بلکہ نظریات اقبال اور مسلک اولیاء اللہ کا تقابلی مطالعہ کرنے اور اس کے بعد صحیح نتیجہ نکالنے کا راستہ بھی صاف ہو گیا ہے۔

. . . .

. . . .

ت ۔۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ سے پروفیسر صاحب موصوف کو ان کی محنت کا یہ ثمرہ ضرور ملا ہے۔ کہ ان کی شرحوں نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے، کیونکہ طالبانِ حق کے لئے وہ رہتی دُنیا تک سرچشمۂ ہدایت بنی رہیں گی۔ نیز جذبہ عشق نے ان سے یہ مشکل کام لیا ہے۔ اور عشق انسان کو لافانی بنا دیتا ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خاکپائے فقرائے کرام
محمد عبد الغنی نیازی (ایم اے)

کراچی
۳۰ اپریل ۱۹۶۰ء

© rasailojaraid.com